Agreement of Maintenance between Husband and Wife: An Analysis in the Light of the *Sharīʿah* and Law

Kalsoom Paracha[۞]
Abdul Quddus Suhaib[۞]

ABSTRACT

Islamic *sharīʿah*, through the contract of marriage (*nikāḥ)*, establishes a set of rights and obligations for both the husband and wife. Among such rights and obligations is *nafaqah* (maintenance). Maintenance is the right of a married woman and it is obligatory for her husband to provide her with it. According to Islamic law, the maintenance comprises shelter, food, clothing, necessary domestic equipment and providing assistant(s), where it is applicable. This article outlines the debates associated with the maintenance of

۞ Assistant Professor, Department of Islamic Studies & Comparative Religion, The Women University, Multan. (drkalsoom@wum.edu.pk)

۞ Professor/Chairman, Department of Islamic Studies, Bahauddin Zakariya University, Multan. (aqsuhaib@gmail.com)

married women in the light of the *sharī'ah* and Pakistan's Family Law.

❁❁❁❁❁

زوجین کا معاہدۂ نفقہ: شرعی اور قانونی تناظر میں ایک تحلیلی مطالعہ

کلثوم پراچہ ۞
عبدالقدوس صہیب ۞

انسان بنیادی طور پر تمدنی مزاج رکھتا ہے، اس لیے وہ اپنے لیے جو وسائل حیات حاصل کرتا ہے، ان کو اپنے اوپر بھی خرچ کرتا ہے اور اپنے علاوہ دیگر اشیا و مخلوقات پر بھی، اسی لیے وہ پودوں، درختوں، جانوروں، گھروں، زمینوں وغیرہ کی دیکھ بھال کے لیے دست یاب وسائل کو استعمال کرتا ہے۔ اس میں لاپرواہی کو نہ صرف ناپسندیدہ خیال کیا جاتا ہے بلکہ جان داروں کے حوالے سے انسانی کوتاہی گناہ اور جرم بھی تصور ہوتی ہے جیسا کہ حدیثِ نبوی میں ایک عورت کو ایک بِلّی کو بھوکا رکھنے کی پاداش میں سزا کا مستوجب قرار دیا گیا،[۱] انسان جب اپنے وسائل اپنے لیے یا دوسروں پر خرچ کرتا ہے تو اس عمل کو نفقہ کہا جاتا ہے۔

"نفقہ" لفظ نفق سے مشتق ہے۔ جس کے معنی سرنگ سے راستہ نکالنے کے ہیں جو افراد کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جائے، اس مناسبت سے نفقہ، لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جسے خرچ کر کے ختم کر دیا جائے اور اس سے مطلوبہ مقصد حاصل کیا جائے[۲] جب کہ اسلامی شریعت میں بنیادی ضروریات مثلاً خوراک، لباس اور رہائش وغیرہ کی فراہمی نفقہ کہلاتی ہے۔[۳] نفقہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) ذاتی نفقہ، یعنی انسان جو اپنی ضروریات پر خرچ کرتا

۞ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ و تقابل ادیان، دی ویمن یونی ورسٹی، ملتان۔ (drkalsoom@wum.edu.pk)
۞ پروفیسر و چیئرمین، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونی ورسٹی، ملتان۔
(aqsuhaib@gmail.com)

۱۔ محمد بن اسماعیل البخاری (م۲۵۶ھ)، **الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله ﷺ**، كتاب المساقات، باب فضل سقي الماء، تحقیق: محمد زہیر بن ناصر الناصر (بیروت: دار طوق النجاة، ۱۴۲۲ھ)، رقم: ۲۳۶۴۔

۲۔ ابوالفضل محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی (م۷۱۱ھ)، **لسان العرب**، مادہ "نفق" (بیروت: دار صادر، ۱۴۱۴ھ)۔

۳۔ محمد بن علی بن محمد علاء الدین الحصکفی (م۱۰۸۸ھ)، **الدرالمختار في شرح تنوير الأبصار للتمرتاشي**، مطبوع مع حاشیہ ابن عابدین، (بیروت: دار الفكر، ۱۴۱۲ھ)، ۲: ۸۸۶۔

ہے(۲) دوسروں کا نفقہ جو انسان پر دیگر افراد کی ذمے داری کے طور پر عائد ہوتا ہے۔ اسلامی شریعت میں کسی کے ذمے نفقہ کے وجوب کے اسباب میں قرابت داری[۴] ملکیت (کسی کا مالک ہونا)، احتباس (کسی کے لیے پابند ہونا جیسے ملازمت وغیرہ) کے علاوہ ازدواجی رشتہ ناتا بھی شامل ہے۔[۵]

فقہ اسلامی کی تمام معتبر بنیادی کتب کے علاوہ عصرِ حاضر میں فقہ الاسرۃ اور الاحوال الشخصیہ کے عنوان سے لکھی گئی کتب میں اس موضوع پر بنیادی مواد پایا جاتا ہے، جن میں نفقہ کے شرعی حکم، دائرہ کار اور اس کی نوعیت کو بیان کیا گیا ہے، نیز کن صورتوں میں بیوی نفقہ کا استحقاق رکھتی ہے اور کن صورتوں میں نہیں، نیز نفقہ کی عدم ادائی کی صورت میں اس کے دَین کی حیثیت کو زیرِ بحث لایا گیا ہے، یہ تمام مباحث بنیادی طور پر آثار الزواج کے ضمن میں ترتیب پاتے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون کا مقصد یہ ہے کہ ان مباحث سے استفادہ کرتے ہوئے نکاح کے بہ طور معاہدہ، مطلوبہ تقاضوں کے ساتھ ساتھ عقدِ نکاح کے موقع پر اس کے مابعد معاملات پر مستقل معاہدہ طے پانے والی دستاویز کے تناظر میں نفقہ پر گفت گو کی جائے، چناں چہ نفقہ سے متعلق ضروری تمہیدی گفت گو کے ساتھ معاہدۂ نکاح کے نفقہ پر مرتب اثرات، براءۃ نفقہ کی نوعیت، نفقہ سے انحراف کے عقدِ نکاح پر اثرات اور عقدِ نکاح کے ساتھ اس کے دائرہ کار سے متعلق کسی معاملے پر زوجین کے درمیان کسی مستقل معاہدے پر اتفاق کی نوعیت کو ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہے اس ضمن میں شرعی نصوص، فقہی تراث اور معاصر آرا کے تحلیل و تجزیے کے ذریعے مضمون کو مدوّن کیا گیا ہے، اس کے ساتھ پاکستانی معاشرے میں نفقہ کی قانونی نوعیت اور سماجی صورتِ حال کے تناظر میں سفارشات پیش کی گئی ہیں، آمدہ بحث کو درج ذیل عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ ازدواجی نفقہ؛ مفہوم اور شرعی حیثیت

۴۔ قرابت داری کے تعین میں فقہی آرا میں اختلاف پایا جاتا ہے، مالکی فقہ میں والدین اور اولاد اور شافعی فقہ میں والدین سے اوپر والے رشتے (دادا، دادی) اور اولاد کی نسل (پوتے وغیرہ) بھی شامل ہیں۔ حنفی فقہ میں نفقہ کی بنیاد ذی رحم محرمیت کا رشتہ ہے جیسے بھائی بہن، خالہ پھوپھی وغیرہ اور حنبلی فقہ میں قرابت کی اساس وراثت ہے۔ وہبہ الزحیلی(۲۰۱۵ء)، **الفقہ الإسلامي و أدلته** (دمشق: دار الفکر، س ن)، ۱۰: ۸۳۔

۵۔ عبدالرحمن بن محمد عوض الجزیری (م۱۳۶۰ھ)، **الفقہ علی المذاهب الأربعة** (بیروت: دارالکتب العلمیة، ۱۴۲۴ھ / ۲۰۰۳ء)، ۴: ۴۸۵ ؛ وزارة الأوقاف والشئون الإسلامیه، **الموسوعة الفقهية الكويتية** (الکویت: دار السلاسل، س ن)، ۵: ۱۱۵۔

۲۔ ازدواجی نفقہ کا دائرۂ کار

۳۔ نفقہ کے تعین کا معیار اور طریقہ کار

۴۔ ازدواجی معاہدے میں نفقہ، شرعی حیثیت اور فقہی تنقیح

۵۔ نفقہ کی ادائی اور عدم ادائی کے عائلی معاہدہ پر اثرات

۶۔ سکونت کی نوعیت کی بابت ازدواجی معاہدے کی شرعی حیثیت

۷۔ ازدواجی نفقہ، پاکستانی قانون کے تناظر میں

۸۔ نتائج بحث

۹۔ سفارشات

۱۔ ازدواجی نفقہ: مفہوم اور شرعی حیثیت

زوجین کے مابین عقدِ نکاح ایک ایسا معاہدہ ہے جو احسن انداز سے باہمی متوازن روابط پر استوار ہوتا ہے، اس کے لیے قرآن وحدیث میں "معاشرۃ بالمعروف" کا جامع عنوان اختیار کیا گیا ہے۔ اس کے تحت زوجین کے باہم حقوق و فرائض کا تعین ہوتا ہے، کسی بھی فریق کی اپنے فرائض سے بے اعتنائی، دوسرے فریق کو نہ صرف مشکلات سے دوچار کرتی ہے بلکہ اس کے سبب ازدواجی ڈھانچے کو بھی خطرات لاحق ہوجاتے ہیں، جن کو قرآن و حدیث میں نشوز اور شقاق جیسے عنوانات سے بیان کیا گیا ہے، جس کا ارتکاب کسی بھی فریق کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ اسلامی شریعت کی رو سے "نفقہ" کی بحث معاشرۃ بالمعروف کے دائرے میں آتی ہے جس کے تحت عقدِ نکاح کے شرعی طور پر طے پاتے ہی شوہر، بیوی کے تمام ضروری اخراجات کا ذمے دار قرار پاتا ہے۔

زیرِ نظر مقالے میں نفقہ کے بارے میں زوجین کے مابین طے پانے والے معاہدے کی نوعیت کو شرعی نصوص، تراث، معاصر تعبیرات اور پاکستانی قانون کے تناظر میں زیرِ بحث لانا مقصود ہے۔

قرآن وحدیث میں ازدواجی نفقہ کے وجوب کو واضح الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے جن کو قطعی الثبوت والدلالۃ کہا جاتا ہے چناں چہ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ [۶] (مرد خواتین کے نگران ہیں اس سبب کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور یہ کہ وہ اپنے اموال سے خرچ کرتے ہیں۔)

۶۔ القرآن، ۴: ۳۴۔

اسی طرح قرآنِ حکیم میں ایک اور مقام پر اس حوالے سے یوں رہ نمائی دی گئی: ﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [۷]

اس آیت کا ما قبل جس طرح اس امر کی نشان دہی کرتا ہے کہ بچے کو دودھ پلانا ماں کی ذمے داریوں میں شامل ہے، اس لیے دودھ پلانے پر وہ اپنے شوہر سے کوئی اجرت اور معاوضہ نہیں لے سکتی؛ کیوں کہ جب تک وہ اس کے نکاح میں ہے، بچے کو دودھ پلانا اس کے ذمے فرض ہے، اسی طرح آیت کا مذکورہ بالا حصہ بچے کے باپ یعنی شوہر کے ذمے فرض قرار دیتا ہے کہ وہ دستور کے مطابق اپنی بیوی کی خوراک ولباس کی ذمے داری پوری کرے اور نفقہ کی یہ ذمے داری اس وقت تک ہے جب بچے کی ماں اس کے عقدِ نکاح میں یا عقدِ نکاح کے بعد طلاق کے سبب عدت میں ہو۔ واضح رہے کہ طلاق کی صورت میں شرعی عدت پوری ہونے کے بعد نفقہ زوجیت تو ختم ہو جائے گا مگر بچے کو دودھ پلانے کی صورت میں مالی تعاون (نفقہ مرضعہ) باپ کے ذمے لازم رہے گا۔

ایک اور مقام پر فرمان الٰہی ہے: ﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ﴾ [۸] (اپنی حیثیت کے مطابق ان (خواتین) کو اسی طرح کی سکونت دو جیسے تم خود رہتے ہو۔)

ڈاکٹر وہبہ زحیلی مذکورہ آیت کے وسعت مفہوم کو یوں بیان کرتے ہیں کہ "شوہر کو بیوی کی سکونت پذیری کا حکم، دراصل اس پر بنیادی ضروریات کے لیے خرچ کرنے کا بھی تقاضا کرتا ہے؛ کیوں کہ عورت گھر سے نکل کر کمائے بغیر تو اپنے اخراجات خود پورے نہیں کر سکتی۔" [۹]

رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں حقوقِ نسواں کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے نفقہ کی ذمے داری کو بھی واضح کیا، آپ نے فرمایا: "اتقوا الله في النسآء فإنهن عوان عندكم أخذتموهن بأمانة الله، واستحللتم فروجهن بكلمة الله، ولهن عليكم رزقهن، وكسوتهن بالمعروف." [۱۰]

(خواتین (بیویوں کے حقوق) کے بارے میں اللہ پاک (کے مواخذہ) سے ڈرتے رہو۔ وہ تمھارے پاس پابند

۷۔ القرآن، ۲: ۲۳۳۔

۸۔ القرآن، ۶۵: ۶۔

۹۔ وہبہ الزحیلی، **الفقه الإسلامي و أدلته** (دمشق: دار الفکر، ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء)، ۷: ۷۸۶۔

۱۰۔ احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد الشیبانی (م ۲۴۱ھ)، **المسند عن أبي حرة الرقاشي**، تحقیق: شعیب الارنووط وغیرہ (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۱ء)، ۳۴: ۲۹۹، رقم: ۲۰۶۹۵۔

ہیں۔ تم نے انھیں امانت خداوندی کے ذریعے رکھا ہوا ہے اور اللہ کے حکم سے ان سے ازدواجی تعلق کو حلال سمجھا ہے۔ ان کی خاطر تم پابند ہو کہ دستور کے مطابق ان کو رزق اور لباس دو۔)

مذکورہ خطبے میں حضرت محمد ﷺ نے مزید یہ بھی ارشاد فرمایا:

ألا إن لكم على نسائكم حقا، ولنسائكم عليكم حقا، فإما حقكم على نسائكم أن لا يوطئن فرشكم من تكرهون، ولا يأذن في بيوتكم لمن تكرهون، إلاوحقهن عليكم أن تحسنوا إليهن في كسوتهن وطعامهن.[۱۱]

(تمھارا، تمھاری بیویوں پر حق ہے اور تمھاری بیویوں کا تم پر حق ہے۔ تمھارا اپنی بیویوں پر حق یہ ہے کہ جن لوگوں کو تم ناپسند کرتے ہو ان کو وہ تمھارے بستروں پر نہ بٹھائیں اور نہ تمھارے ناپسندیدہ افراد کو گھر میں آنے کی اجازت دیں اور ان کا تم پر حق یہ ہے کہ تم ان کے لیے خوراک ولباس کا عمدہ اہتمام کرو۔)

ایک موقع پر حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کی بیوی ہند نے قبول اسلام کے بعد رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ ابوسفیان بخیل شخص ہیں اور خاندان پر خرچ نہیں کرتے تو آپ نے فرمایا: "خذي مايكفيك وولدک بالمعروف"[۱۲] (معاشرتی معمول کے مطابق اتنا لے لیا کرو جو تمھیں اور تمھاری اولاد کے لیے کافی ہو۔)

ان تمام شرعی نصوص سے اس قانونی حق کا ثبوت واضح ہوتا ہے کہ زوجین کے مابین معاہدہ نکاح طے پاتے ہی شوہر اپنی بیوی کی بنیادی ضروریات زندگی کے اخراجات کا معاشرتی عرف ودستور کے مطابق پابند ہو جاتا ہے۔

۲- ازدواجی نفقہ کا دائرہ کار

شرعی نقطۂ نظر سے زوجہ کے نفقہ کے دائرے میں درج ذیل امور شامل ہیں:[۱۳]

۱۱- ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی (م۲۷۹ھ)، **جامع الترمذي**، أبواب الرضاع ، باب ما جاء في حق المرأة على زوجها، تحقیق: احمد محمد شاکر وغیرہ (مصر: مصطفى البابي الحلبي، ۱۳۹۵ھ)، ۳: ۴۵۹، رقم: ۱۱۶۳۔

۱۲- البخاری، **الجامع المسند الصحيح**، كتاب النفقات، باب إذا لم ينفق الرجل الخ، ۱۳: ۴۰۶، رقم: ۵۳۶۴۔

۱۳- وہبہ الزحیلی، المرجع السابق، ۷: ۷۹۸۔

۱- خوراک اور اس کے لوازمات

۲- علاج و معالجہ

۳- لباس

۴- رہائش

۵- وسعت کے مطابق خدمت گار

۶- گھریلو سامان اور صفائی کے آلات وغیرہ۔ ان امور کی مختصر وضاحت درج ذیل ہے:

۲.۱- خوراک

فقہاے اسلام کے نزدیک نفقہ میں خوراک اور اس کے تمام لوازمات شامل ہیں۔ یعنی تیار حالت میں بنیادی خوراک جو کہ روزمرہ زندگی میں عرف کے مطابق استعمال کی جاتی ہے۔ کھانے پکانے کے تمام آلات وسامان وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں۔ خوراک کے معیار و مقدار کا اندازہ جسمانی ضروریات کے مطابق ہو گا۔ جیسا کہ ابھی ذکر ہوا ہے۔ حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کی بیوی ہند سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے عام معمول کے مطابق جتنا کفایت کرے، لے لیا کرو۔" حدیث نبوی میں "معروف کے مطابق کفایت" کا لفظ اپنے اندر تمام متعلقہ امور (مقدار و معیار وغیرہ) کی گنجائش رکھتا ہے۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجتہ الوداع میں ارشاد فرمایا: "تم پر تمھاری بیویوں کا معروف طریقے سے خوراک اور لباس کی ذمے داری ہے"[۱۴] گویا ہر جگہ کے عرف کے مطابق ضروریات زندگی کی فراہمی شوہر کے ذمے ہے۔

۲.۲- علاج

عصر حاضر میں علاج معالجہ کو خوراک کی طرح بنیادی ضروریات زندگی میں باقاعدہ شامل تصور کیا جاتا ہے، اس تناظر میں ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی راے یہ ہے کہ جس طرح بیوی کی دیگر ضروریات عائلی معاہدے کے نتیجے میں شوہر کے ذمے ہیں اسی طرح علاج معالجہ بھی شوہر کے ذمے ہے۔[۱۵]

۱۴- مسلم بن الحجاج القشیری (۲۶۱ھ)، **الجامع الصحیح**،كتاب الحج ، باب حجة النبي ﷺ (بيروت: دار إحياء التراث العربي، س ن) ، ۲ : ۸۸۶، رقم: ۱۲۱۸۔

۱۵- وہبہ الزحیلی، مرجع سابق، ۷: ۷۹۴۔

۲.۳- لباس

زوجین کے مابین عائلی معاہدے اور عقد نکاح کی انجام دہی کے ساتھ ہی شوہر کے ذمے اپنی بیوی کو موسم کے مطابق لباس فراہم کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (۱۶)

قرآن وحدیث دونوں میں معروف طریقے سے کسوۃ یعنی لباس کی فراہمی کی واضح الفاظ میں نشان دہی کی گئی ہے۔ نیز مذکورہ بالا حدیث ہند میں مذکور ہے۔ کفایت کے لفظ میں خوراک کے ساتھ لباس کا ہونا بھی قرین عقل ہے۔ لباس کے معاملے میں شریعت نے مقدار ومعیار کا تعین نہیں کیا؛ لیکن "معروف" کا لفظ ماحول، حالات اور رواج کی نشان دہی کرتا ہے۔ چناں چہ سردیوں کے مطابق سردیوں کا لباس اور گرمیوں کے موافق گرمیوں کا لباس مہیا کرنا ضروری ہے، اسی طرح ماحول اور رواج کے صحت مند تقاضوں کو مدِ نظر رکھنا بھی اس دائرے میں آتا ہے۔

۲.۴- رہائش

زوجہ کو رہنے کے لیے معقول جگہ مہیا کرنا نفقہ میں شامل اور شوہر کے ذمے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ﴾ (۱۷) (اپنی وسعت کے مطابق عورتوں کو سکونت مہیا کرو جیسے تم خود رہتے ہو۔)

معاشرۃ بالمعروف کے قرآنی حکم کے تحت بھی دیگر امور کے علاوہ مناسب رہائش کی فراہمی بھی شوہر کی ذمے داری قرار پاتی ہے جس میں درج ذیل بنیادی امور کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

i- رہائش شوہر کی مالی حالت سے مطابقت رکھتی ہو۔

ii- رہائش مستقل ہو جس میں شوہر کے اہل خانہ میں سے کوئی رہائش پذیر نہ ہو۔ مالکی فقہ کی رائے

۱۶- القرآن، ۲:۲۳۳؛ اسی مفہوم میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف" عبدالحمید بن حمید بن نصر (م۲۴۹ھ)، **المنتخب من مسند عبد بن حميد**، تحقیق، صبحی البدری السامرائی، محمود محمد خلیل (قاہرہ: مکتبة السنة، ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۸ء)، ۱: ۲۷۰۔

۱۷- القرآن، ۶:۶۵۔

یہ ہے کہ کم سے کم ایک مستقل کمرہ ہو جو ضروریات زندگی سے آراستہ ہو۔
حنفی فقہ کے مطابق شوہر کو اعتماد میں لیے بغیر بیوی کو اختیار نہیں کہ وہ اپنے ساتھ کسی کو خواہ وہ کم سن بچہ ہی کیوں نہ ہو اپنے ساتھ ٹھہرائے۔[۱۸] کیوں کہ عائلی معاہدے کے بنیادی فریق زوجین ہیں اور ایسے امور معاشرۃ بالمعروف سے تعلق نہیں رکھتے۔

iii– رہائش گاہ تمام بنیادی سہولیات سے آراستہ ہو یعنی اس میں رہن سہن، سونے، کھانے، پکانے، نہانے اور دھونے کے تمام وسائل دست یاب ہوں۔

زوجین کے مابین نکاح کے عائلی معاہدے کے تحت ضروری ہے کہ شوہر، بیوی کو الگ رہائش فراہم کرے جس میں سسرال اور میکے سمیت کسی اور کا عمل دخل نہ ہو۔ چناں چہ علامہ حصکفی (م۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں:
"تجب لها السكنى في بيت خال عن أهله وأهلها."[۱۹]

۲. ۵– خدمت گار کی فراہمی

اگر شوہر کے مالی حالات بہتر ہیں تو بیوی کے لیے ملازم خدمت گار کا اہتمام کرنا بھی اس کی ذمے داری ہے۔ لہٰذا اگر بیوی کسی ایسے خاندان سے آئی ہے جہاں خدمت گار موجود تھے تو زوجین کے مابین نکاح کے عائلی معاہدے کے تحت اس کا انتظام قرین عقل ہو گا اسی طرح اگر وہ بیمار ہے تو اس کی دیکھ بھال کے لیے خدمت گار ضروری ہے؛ کیوں کہ اس کا تعلق معاشرۃ بالمعروف سے ہے۔ امام ابو یوسف گھریلو امور اور بیرونی کاموں کے حوالے سے دو ملازمین کی فراہمی کے قائل ہیں بشرطے کہ شوہر کے وسائل اس کی اجازت دیں[۲۰] ملازم کی فراہمی ایک لحاظ سے رہائشی تقاضوں میں سے بھی ہے۔ محمد بن احمد بن محمد ابن رشد (م۵۹۵ھ) کہتے ہیں۔

شوہر پر بیوی کے خدمت گار کے نفقہ کے وجوب کو اس بنیاد پر استوار کیا گیا ہے کہ خدمت مہیا کرنے کو سکونت کی فراہمی کا حصہ تصور کیا جائے کہ مطلقہ رجعیہ کے لیے سکونت کی نص قرآنی کی بنیاد پر فقہا شوہر پر بیوی کو

۱۸– کمال الدین محمد بن عبد الواحد ابن الہمام (۸۶۱ھ)، **شرح فتح القدير للعاجز الفقير** (بيروت: دار الفكر، س ن)، ۳: ۳۳۴؛ الحصکفی، **الدر المختار** (بيروت: دار الفكر، ۱۴۱۲ھ)، ۲: ۹۱۲ مابعد۔

۱۹– الحصکفی، نفس مصدر، ۲: ۶۶۲۔

۲۰– ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی (م۵۹۳ھ)، **الهداية في شرح بداية المبتدي**، باب النفقه (بيروت: مكتبة شركة علمية، س ن)، ۲: ۴۳۸۔

سکونت مہیا کرنے کے وجوب پر متفق ہیں۔[۲۱] ایسی صورت میں خدمت گار یا تو عورت ہو یا بیوی کا ذی رحم محرم مرد ہو یا موجودہ دور کے مطابق مشینی روبوٹ ہو۔ خدمت گار کے ناگزیر اخراجات جیسے خوراک ولباس وغیرہ کی حد تک شوہر کے ذمے ہوں گے۔ تاہم اگر شوہر تنگ دست ہے تو اس کے ذمے خدمت گار کے اخراجات نہیں ہوں گے ایسی صورت میں شوہر پر اس کا بوجھ ڈالنا معاشرۃ بالمعروف کے منافی ہو گا۔

۲. ۲– گھریلو سامان اور گھریلو صفائی کے آلات

فقہا نے کھانے پینے کے برتن، دیگر گھریلو سازو سامان، ذاتی صفائی اور گھریلو صفائی کے آلات وغیرہ کا مہیا کرنا شوہر کی ذمے داری قرار دیا ہے؛ کیوں کہ بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی کے ساتھ یہ امور منسلک تصور کیے جاتے ہیں۔ مالکی فقہ کے مطابق ماحول اور رواج کے اعتبار سے فیصلہ کیا جائے گا کہ جو چیزیں ضرورت کی ہوں گی وہ شوہر کے ذمے ہیں۔[۲۲] ضروریات زندگی کی فراہمی جس کو حدیث ہند میں کفایت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ شوہر کے واجبات میں سے ہے لہٰذا معاشی تقاضوں کے مطابق تمام متعلقہ امور "نفقہ" میں شامل تصور ہوں گے۔

۳– نفقہ کے تعین کا معیار اور طریقہ کار

فقہا کے ایک گروہ کی رائے میں نفقہ کے تعین کے لیے شوہر اور بیوی دونوں کی مالی حالت اور ضرورت ملحوظ رکھی جائے گی۔[۲۳]

شوہر کی حیثیت کے حوالے سے قرآن پاک میں ارشاد ہے: ﴿لِيُنفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ ۖ﴾[۲۴]
(وسعت والا وسعت کے مطابق خرچ کرے۔)

یہ آیت اپنے پس منظر میں نفقہ کے تعین کے لیے شوہر کی مالی حیثیت کو بنیاد قرار دیتی ہے جب کہ گذشتہ سطور میں مذکور حدیث نبوی سے بیوی کی ضروریات کو ملحوظ رکھنے کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ رسول

۲۱– محمد بن احمد بن محمد بن احمد ابن رشد الحفید (م ۵۹۵ھ)، **بداية المجتهد و نهاية المقتصد** (لاہور: المكتبة العلمية، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء)، ۲: ۴۱۔

۲۲– الحصکفی، مصدر سابق، ۲: ۸۹۳؛ احمد بن محمد الخلوتی الصاوی (م ۱۲۴۱ھ)، **بلغة السالك لأقرب المسالك المعروف بحاشيه الصاوي على الشرح الصغير للدردير** (قاہرہ: دار المعارف، س ن)، ۲: ۷۳۲، مابعد۔

۲۳– ابن رشد الحفید، مصدر سابق، ۲: ۵۹۔

۲۴– القرآن، ۶۵:۷۔

اللہ ﷺ نے ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہند سے فرمایا: "خذي مايكفيك وولدك بالمعروف" (دستور کے موافق اپنے اور اپنی اولاد کے لیے ضروری خرچ لے لیا کرو) نتیجتاً نفقہ میں شوہر وبیوی دونوں کی حالت کے پیش نظر متوازن راستہ اختیار کیا جائے گا۔

جب کہ فقہا کے دوسرے گروہ کی رائے میں صرف مرد کی معاشی حالت کو مد نظر رکھ کر ہی نفقہ کا تعین کیا جائے گا۔[۲۵]

حدیث نبوی میں ارشاد ہے:"أطعموهن مما تأكلون واكسوهن مما تكتسون"[۲٦] (اپنی بیویوں کو وہی کھلاؤ جو خود کھاؤ، وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو۔)

ان فقہا کا کہنا ہے کہ ہند کی حدیث میں "مايكفيك" کے ساتھ "المعروف" کا بھی ذکر ہے کہ اس میں ان کے ہاں بیوی بچوں کی ضروریات کی فراہمی کے لیے شوہر کی حیثیت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

فقہا کی آرا کی روشنی میں یہ کہنا موزوں ہو گا کہ اگر زوجین کی مالی حیثیت بہتر ہے تو نفقہ اس حیثیت کے مطابق ہو گا۔ اگر دونوں کی مالی حیثیت کم زور ہے تو نفقہ میں اس کو ملحوظ رکھا جائے گا، لیکن اگر دونوں کے مالی حالات مختلف ہوں تو اس سلسلے میں علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی (م ۵۹۳ھ) نے امام ابو بکر احمد بن عمر بن مہیر خصاف (م ۲٦۱ھ) کے اس قول پر فتویٰ دیا ہے کہ اگر عورت غریب اور مرد مال دار ہو تو نفقہ درمیانے درجے کا ہو گا تاکہ دونوں (زوجین) کی رعایت رہے؛ جب کہ ابو الحسن عبید اللہ بن الحسین کرخی (م ۳۴۰ھ) کے نزدیک اعتبار شوہر کی مالی حالت کا ہو گا۔[۲۷]

۲۵- المرغيناني، **الهداية**، باب النفقه، ۲: ۴۳۷ قرآن حکیم میں مذکور ہے: ﴿لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا﴾ (صاحب وسعت کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے اور جس کے رزق میں تنگی ہو وہ جتنا خدا نے اس کو دیا ہے اس کے موافق خرچ کرے۔ خدا کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کے مطابق جو اس کو دیا ہے) (القرآن، ٦۵: ۷) اس آیت سے ما قبل شوہر کی مالی ذمے داریوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اس کے بعد نفقہ کے حوالے سے یہ مجموعی رہ نمائی دی گئی ہے۔

۲٦- ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی (م ۲۷۵ھ)، **سنن أبي داود**، كتاب النكاح، باب في حق المرأة على زوجها، تحقیق: محمد محی الدین عبد الحمید (بیروت: المكتبة العصرية، س ن)، رقم: ۲۱۴۴۔

۲۷- المرغینانی، مصدر سابق، باب النفقة، ۲: ۴۳۷۔

اگر شوہر اس سلسلے میں کوتاہی کا مرتکب ہے تو بیوی، نکاح کے عائلی معاہدے کے تقاضوں سے پہلو تہی کے نتیجے میں آخری حل کے طور پر اس معاملے کو عدالت میں لے جاسکتی ہے ایسی صورت میں اخراجات کی ادائی کے لیے عدالت کوئی مقررہ رقم طے کرے گی۔ اگر عدالت کے فیصلے کے بعد شوہر کی مالی حالت کم زور ہوگئی تو عدالت نئے سرے سے اس رقم کا تعین کرے گی کہ عدالت کے مقرر کردہ اندازے کی بنیاد شوہر کی حیثیت کے مطابق ہوتی ہے۔

۴- ازدواجی معاہدے میں نفقہ، شرعی حیثیت اور فقہی تنقیح

زوجین کے مابین عائلی معاہدے (عقدِ نکاح) وجود میں آتے ہی شوہر، بیوی کے نفقے کا ذمے دار قرار پاتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر بیوی شوہر کو نفقہ سے بری الذمہ قرار دے دے تو بھی اس کا حق ساقط نہیں ہوتا بلکہ بعد ازیں بھی شوہر سے مطالبے کا حق رکھتی ہے۔ اس سلسلے میں علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

المرأة اذا برأت الزوج من النفقة بأن قالت أنت بريء من نفقتي أبدا ماكنت امرأتک، فإن لم يفرض القاضي لها النفقة فالبراءة باطلة، وإن كان فرض لها القاضي كل شهر عشرة دراهم يصح الإبراء من نفقة الشهر الأول ولم يصح من نفقة ماسوى ذلک الشهر.[۲۸]

(یعنی اگر عورت نے شوہر کو یہ کہہ کر نفقہ سے بری الذمہ کردیا کہ جب تک میں تمھاری بیوی ہوں تم میرے نفقے سے ہمیشہ کے لیے بری الذمہ ہو تو اگر عدالت نے عورت کے لیے باقاعدہ نفقہ مقرر نہیں کیا تو عورت کے اس بری الذمہ کرنے کی حیثیت شرعی طور پر معتبر نہیں؛ لیکن اگر عدالت نے ماہانہ نفقہ کا تعین کیا ہو تو ایسی صورت میں صرف پہلے ماہ کا نفقہ معاف قرار پائے گا جب کہ دیگر مہینوں کا نفقہ بدستور رہے گا۔)

عقد نکاح کے بعد زوجین کے درمیان معاہدے کے نتیجے میں اگر بیوی اپنے حقوق سے دست برداری اختیار کرے تو اس کا دائرہ صرف ان امور سے متعلق ہوگا، جو معاہدے کے وقت شوہر کے ذمے عائد ہو چکے ہیں۔ مثلاً اگر شوہر نے بیوی کا مہر ادا نہیں کیا تھا تو اس دست برداری کا معاہدہ معتبر ہوگا اور اب بیوی کو اس کی ادائی کے مطالبے کا اختیار نہ ہوگا الاّیہ کہ ثابت ہو جائے کہ جن توقعات پر مہر معاف کیا گیا تھا وہ پوری نہیں ہو سکیں۔ لیکن ایسے حقوق جو معاہدے کے بعد شوہر پر عائد ہوتے ہیں ان سے دست برداری کے معاہدے کے باوجود بیوی ان کے بارے میں مطالبے کا حق محفوظ رکھتی ہے۔ مثلاً آمدہ ایام کا نفقہ چوں کہ آنے والے دنوں میں ہی لازم ہوگا، لہٰذا

۲۸- ابن الہمام، مرجع سابق، ۲: ۳۹۲، مابعد۔

دست برداری کا معاہدہ اس پر اثر انداز نہیں ہو گا۔[۲۹]

اگر شوہر کا بیوی کے ذمے قرض ہے تو وہ اپنے ذمے عائد بیوی کے نفقے کے قرض کے بدلے میں اس کا اعتبار کر سکتا ہے۔ اس سلسلے میں حنفی رائے یہ ہے کہ جب نفقہ کا دَین قوی ہو (یعنی عدالت کا فیصلہ ہو یا باہم رضامندی سے طے شدہ ہو) تو زوجین میں سے ہر ایک دوسرے سے اپنے دَین کا مطالبہ کر سکتا ہے اور باہمی معاہدے کے ذریعے ادل بدل کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر نفقے کا دین قوی کی بجائے ضعیف ہو (یعنی عدالت نے مقرر نہیں کیا اور نہ ہی باہمی رضامندی سے طے پایا) تو شوہر کی طرف سے اپنے قرض کے مطالبے کرنے پر بیوی کو انکار کرنے کا اختیار نہیں۔

جب کہ دیگر فقہا کی رائے میں نفقے کا دَین ایک صحیح دین ہے یہ دو صورتوں میں ہی ساقط ہو سکتا ہے:

۱۔ بری کر دیا جائے۔

۲۔ ادا کیا جائے۔

لہٰذا اس کو باہمی معاہدے کے تحت دوسرے قرض کے بدلے میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ گویا ان دونوں صورتوں میں "مقاصّہ" (ادلہ بدلہ) ہو سکتا ہے تاہم مالکی و حنبلی فقہا کی رائے میں اگر شوہر قرض کے ادلے بدلے (مقاصّہ) کا مطالبہ کرے اور بیوی کے پاس وسائل نہ ہوں تو بیوی کی رضامندی کے بغیر یہ صورت نا قابل قبول ہے۔[۳۰]

اگر کوئی شخص عائلی معاہدے کے نتیجے میں شوہر کے ذمے عائد بیوی کے نفقہ کی کفالت[۳۱] قبول کرتا ہے یعنی ضمانت دیتا ہے تو وہ کفیل ہے۔ شوہر مکفول عنہ، بیوی مکفول لہ اور نفقہ مکفول بہ ہے۔ جمہور کے ہاں نفقہ کی بہ طور دین کفالت ہو سکتی ہے؛ جب کہ حنفی فقہا کے نزدیک صرف اس نفقہ میں کفالت ہو سکتی ہے جو عدالت کے ذریعے ہو یا زوجین کی باہم رضامندی سے طے ہوا ہو، کیوں کہ مکفول بہ کے نفقہ کے لیے شرط ہے کہ وہ

۲۹۔ ابن الہمام، مرجع سابق۔

۳۰۔ وہبہ الزحیلی، **الفقه الإسلامي و أدلته**، ۷: ۸۱۹۔

۳۱۔ کسی شخص کا دوسرے شخص کی ذمہ داری قبول کرنا یا اس کی ضمانت دینا، اسلامی شریعت میں کفالت کہلاتا ہے۔ عام طور پر کفالت میں چار عناصر ہوتے ہیں۔ وہ شخص جس کی کفالت کی جائے (ضمانت دی جائے) اسے مکفول عنہ کہا جاتا ہے۔ کفالت کرنے (ضمانت دینے) والا شخص، جسے کفیل کہتے ہیں۔ جس کے حق میں کفالت (جس کو ضمانت کا فائدہ) ہو، اسے مکفول لہ کہتے ہیں۔ وہ چیز جس کی کفالت ہو رہی ہو، اسے مکفول بہ کہتے ہیں۔

صحیح دَین ہو۔ شوہر کے ذمے باہمی معاہدہ یا عدالتی فیصلے کے بعد ہی نفقہ دین بن جاتا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں کہ کوئی آدمی نفقے کا ضامن بنتا ہے تو یہ کفالت درست ہے۔ اب بیوی چاہے کفیل سے مطالبہ کرے یا شوہر سے۔ کفیل کی طرف سے نفقے کی ادائی کی صورت میں بعد ازیں وہ شوہر سے وصولی کا مجاز ہو گا۔

نفقے کی لازمی نوعیت پر تمام فقہا کے باہمی اتفاق کے ساتھ ہی اس کی فقہی تنقیح پر بھی بحث ہوئی ہے، چناں چہ جمہور فقہا کی رائے میں ازدواجی نفقے کی حیثیت معاوضے کی ہے کہ بیوی اپنی ازدواجی ذمے داریوں کے سبب پابند ہے لہٰذا اس کے بدلے میں وہ نفقے کا استحقاق رکھتی ہے؛ جب کہ حنفی فقہا کے نزدیک نفقے کے دو پہلو ہیں:

۱۔ **حسن سلوک:** میاں بیوی دونوں خوش گوار ازدواجی زندگی بسر کرتے ہیں جو بنیادی عائلی مقاصد کے حصول کا سبب ہے۔ چناں چہ امام سرخسی نے نفقہ کو" استیناس" سے مربوط کیا ہے۔[۳۲]

۲۔ **معاوضہ:** یعنی بیوی اپنی ازدواجی ذمے داریوں کے سبب چوں کہ پابند ہے جس کے لیے اسلامی فقہ میں"احتباس" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔[۳۳] اس لیے نفقہ ان ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا قانونی معاوضہ ہے۔

ان دونوں پہلوؤں کو کمال الدین ابن الہمام نے اس طرح واضح کیا ہے: ''

(ليست بعوض) من كل وجه، بل هي عوض من وجه دون وجه و ذلک لأنها جزاء الاحتباس، فمن حيث أنه احتباس لا ستيفاء حقه من الاستمتاع وقضاء الشهوة واصلاح أمر المعيشة والاستئناس هي عوض... ومن حيث انه لإقامة لأمر الشارع وأمور مشتركة كإعفاف كل الآخر، وتحصينه عن المفاسد، وحفظ النسب، وتحصيل الولد ليقيم التكاليف الشرعية، هي صلة.[۳۴]

(یہ ہر لحاظ سے معاوضہ نہیں، بلکہ ایک لحاظ سے ہے تو دوسرے لحاظ سے نہیں، اس لیے کہ یہ احتباس (گھر میں پابند رہنے) کا (بھی) بدلہ ہے کہ ازدواجی ضرورت کی تکمیل، گھریلو زندگی کی درستی اور انسیت کے حصول کے لیے احتباس کے حوالے سے یہ عوض ہے جب کہ شرعی ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے شارع کے حکم، باہمی عفت کے حصول، مفاسد سے تحفظ، نسب کی حفاظت اور حصول اولاد جیسے مشترکہ امور کے قیام کے حوالے سے یہ صلہ اور حسن تعاون ہے۔)

۳۲۔ ابو بکر محمد بن احمد السرخسی (م ۴۸۳ھ)، **المبسوط** (بیروت: دار المعرفة، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء)، ۵: ۱۹۲۔

۳۳۔ المرغینانی، **الهداية**، باب النفقة، ۲: ۴۳۷۔

۳۴۔ ابن الہمام، مرجع سابق، ۴: ۳۹۳۔

اس لیے جمہور فقہا کی رائے میں نفقہ عدم ادائی کی صورت میں شوہر کے ذمے قرض رہے گا کہ وہ ادا کر کے ہی بری الذمہ ہو سکتا ہے یا بیوی اس کو معاف کر دے۔[۳۵] اور مصری (Egyptian) قانون میں بھی اسی رائے کو اختیار کیا گیا[۳۶] جب کہ حنفی فقہا کی رائے میں نفقہ اس صورت میں دَین قرار پائے گا جب عدالت کوئی ایسا فیصلہ کرے یا زوجین باہمی رضامندی سے ایسا کوئی معاہدہ کر لیں۔ اسی طرح اگر شوہر نے بیوی کو پیشگی نفقہ دے دیا اور بعد ازیں ایسی کوئی صورت پیدا ہو گئی جس کے سبب نفقہ واجب نہیں رہا، مثلاً بیوی نے نشوز کی راہ اپنالی یا زوجین میں سے کسی کی وفات ہو گئی تو ایسی صورت میں امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراھیم (م ۱۸۲ھ) کی رائے یہ ہے کہ شوہر کے فوت ہو جانے کی صورت میں شوہر کے ورثا کو یہ حق نہیں کہ بیوی سے کوئی چیز واپس لیں۔[۳۷] کیوں کہ نفقہ ایک قسم کا ہبہ اور عطیہ ہے جس کا مقصد حسن سلوک کا اظہار ہے اور ہبہ میں رجوع نہیں ہو سکتا؛ جب کہ دیگر فقہا کے نزدیک چوں کہ نفقہ کی حیثیت ایک معاوضہ کی ہے۔ لہٰذا شوہر کے ورثا کو اختیار ہے کہ وہ بیوی سے ادا شدہ نفقہ واپس لے لیں۔ اگر خرچ ہو گیا ہے تو اس جیسی کوئی چیز (مثلی)، ورنہ قیمت وصول کی جائے گی۔

بیوی، ماضی کے اپنے نفقے سے تو شوہر کو بری الذمہ کر سکتی ہے لیکن مستقبل کا نفقہ چوں کہ ابھی واجب نہیں ہوا اس لیے اس سے دست برداری کی کوئی قانونی حیثیت نہیں تاہم حنفی نقطۂ نظر سے مستقبل کا نفقہ اس صورت میں معاف ہو سکتا ہے کہ جس عرصے کا نفقہ ہو، اس کے آغاز ہونے پر ایسا کیا جائے۔ مثلاً اگر نفقہ ماہوار ہے اور مہینہ شروع ہو چکا ہے تو باقی ماہ کا نفقہ معاف کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر نفقہ سالانہ ہے تو سال کے آغاز پر بقیہ دنوں کا نفقہ معاف کیا جا سکتا ہے۔[۳۸]

۳۵- عبداللہ بن احمد بن محمد ابن قدامہ، (م ۶۲۰ھ)، **المغني** (قاہرہ: مكتبة القاهرة، ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء)، ۷: ۵۷۸؛ محمد بن احمد الشربینی (م ۹۷۷ھ)، **مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج** (بیروت: دارالکتب العلمية، ۱۴۱۵ھ / ۱۹۹۴ء)، ۳: ۴۴۲۔

۳۶- عبد الوہاب خلاف (م ۱۳۷۵ء)، **أحكام الأحوال الشخصية في الشريعة الإسلامية** (قاہرہ: دارالكتب المصرية، ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۹ء)، ۱۱۷۔

۳۷- ابن الہمام، **شرح فتح القدير**، ۳: ۳۳۲؛ الحصکفی، **الدر المختار**، ۲: ۹۰۲۔

۳۸- ابو بکر بن مسعود بن احمد الکاسانی (م ۵۸۷ھ)، **بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع** (بیروت: دارالكتب العلمية، ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶ء)، ۴: ۱۶؛ ابن قدامہ، **المغني**، ۷: ۶۱۰۔

۵- نفقہ کی ادائی اور عدم ادائی کے عائلی معاہدے پر اثرات

نفقہ کی ادائی کی صورت میں ازدواجی معاشرت میں ہم آہنگی اور باہمی اعتماد کو فروغ حاصل ہوتا ہے جو منشائے نکاح ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾[۳۹](اور اس(اللہ تعالی) کے نشانات میں سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس کے جوڑے پیدا کیے تاکہ ان کی طرف (مائل ہوکر) آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لیے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔)

ازدواجی ہم آہنگی سے دونوں خاندانوں کے درمیان خوش گوار تعلقات کی بنیاد پڑتی ہے۔ نیز بچوں کی اخلاقی و نفسیاتی تربیت میں اس کا مؤثر کردار مسلم ہے۔ اس کے برعکس شوہر اگر عقد نکاح کے نتیجے میں عائد بیوی کا نفقہ ادا نہ کرے تو اس سلسلے میں عموماً تین صورتیں ہوتی ہیں:

۱- شوہر نفقہ ادا کرنے پر قادر ہی نہ ہو۔

۲- شوہر بیوی کے نفقے پر قادر ہو، اور بذات خود موجود بھی ہو، لیکن ادا نہ کرے۔

۳- شوہر موجود ہی نہ ہو بلکہ منظر سے غائب ہو۔

اس سلسلے میں امام مالک، امام محمد بن حسن الشیبانی (م ۱۸۹ھ) امام شافعی اور امام احمد بن حنبل جیسے معروف فقہا یہ مؤقف رکھتے ہیں[۴۰] کہ نفقہ کی عدم ادائی کی وجہ سے بیوی کو فسخ نکاح کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے؛ کیوں کہ یہ زوجین کے مابین طے پانے والے نکاح کے عائلی معاہدے کی خلاف ورزی ہے جس کا مرتکب شوہر ہو رہا ہے۔ ان کے دلائل حسبِ ذیل ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ﴾[۴۱] (طلاق صرف دو مرتبہ ہے۔ (جب طلاق دے دی جائے) تو پھر بیوی کو یا تو معروف طریقے سے نکاح میں رہنے دینا چاہیے (کہ شوہر دوران عدت رجوع کرلے) یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا چاہیے (کہ

۳۹- القرآن، ۲۱:۳۰۔

۴۰- ابن الہمام، مرجع سابق، ۳ :۳۲۹ ومابعد؛ ابن قدامہ، مرجع سابق، ۷ :۵۷۳، مابعد۔

۴۱- القرآن، ۲ : ۲۲۹۔

عورت اپنی عدت مکمل کرلے) ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿وَلَا تُضَآرُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ﴾ [۴۲] (اور ان کو تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ دو۔)

واضح رہے کہ بیوی کو نفقہ سے محروم رکھنے کے "ضرر" ہونے میں کوئی دوسری رائے نہیں ہو سکتی ہے اور ایسی صورت میں یا تو شوہر کو"إمساك بالمعروف" پر عمل کرنا چاہیے کہ بیوی کے نفقہ سمیت تمام حقوق ادا کرتے ہوئے اس کو مناسب اور موزوں طریقہ سے بسایا جائے یا اس کی طرف سے "تسريح بالإحسان" ہو یعنی اس کی اچھے انداز میں گلوخلاصی کر دی جائے۔ لہٰذا جب وہ نفقہ کی عدم ادائی کی وجہ سے "امساك بالمعروف" پر قادر نہیں تو تسريح بالإحسان اس پر واجب ہے اور اگر وہ اس پر آمادہ نہیں تو عدالت اس کی طرف سے علاحدگی کا اختیار استعمال کرنے کی مجاز ہوگی۔

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے (اس شخص کے حق میں جو بیوی کا نفقہ ادا نہ کر سکے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے: ''يفرق بينهما'' کہ دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔[۴۳]

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ ایک اور حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ابدأ بمن تعول" (خرچ کا آغاز ان سے کرو جن کی تم پر ذمے داری ہے۔) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول مجھ پر اور کس کی ذمے داری اور بوجھ ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمھاری بیوی کی، جو یہ کہتی ہے کہ مجھے کھلاؤ پلاؤ یا مجھ سے علاحدگی اختیار کرو۔[۴۴]

۴۔ عہدِ فاروقی کا دستور العمل عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرح بیان کیا ہے:[۴۵] "كتب عمر إلى

۴۲۔ القرآن، ۶۵:۶۔

۴۳۔ ابو بکر احمد بن الحسن بن علی البیہقی (م۴۵۸ھ)، **السنن الصغير**، باب الرجل لا يجد ماينفق امراته، تحقیق: عبدالمعطی امین قلعہ جی (کراچی: جامعة الدراسات الإسلامية، ۱۴۱۰ھ / ۱۹۸۹ء)، ۳: ۱۸۷۔

۴۴۔ البخاری، **الجامع الصحيح**، كتاب النكاح ، باب وجوب النفقة على الأهل والعيال، ۷: ۶۳، رقم: ۵۳۵۵۔

۴۵۔ ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان ابن ابی شیبہ (م۲۳۵ھ)، **الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار**، تحقیق: کمال یوسف الحوت (ریاض: مکتبة الرشد، ۱۴۰۹ھ)، ۴: ۱۶۹، رقم: ۱۹۰۲۰۔

أمراء الأجناد فيمن غاب عن نسائه من أهل المدينة فأمرهم أن يرجعوا إلى نسائهم، إما أن يفارقوا و إما أن يبعثوا بالنفة." (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے امرائے لشکر کو لکھا کہ فلاں فلاں شخص کو کہو جو مدینہ سے چلے گئے تھے اور وہاں سے کوچ کر چکے تھے کہ یا تو اپنی بیویوں کے پاس واپس آئیں یا ان کا نفقہ بھیجیں اور یا طلاق دے دیں اور گزرے ہوئے دنوں کا نفقہ بھی بھیجیں) اس طرح عورت کو گذشتہ نفقے کے بارے میں شوہر کے محاسبہ کا حق دیا گیا نیز اگر شوہر نفقہ کے ادا کرنے سے بلا وجہ رک جائے تو بیوی کو اختیار ہوگا، اگر چاہے تو اس نکاح کو باقی رکھے یا علاحدگی کا مطالبہ کردے۔)

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: ''لا ضرر ولا ضرار''[۴۶] جو اسلامی فقہ میں ایک عمومی ضابطہ کی حیثیت اختیار کر گیا ہے، اس کا تقاضا ہے کہ بیوی کو پہنچنے والے ضرر کے ازالے کے لیے قاضی مرد کو طلاق پر مجبور کرے یا اس کی طرف سے نکاح فسخ کردے۔

۶۔ حضرت سعید بن مسیبؒ (م ۹۴ھ) کبار تابعین اور مدینہ منورہ کے معروف سات فقہا میں سے تھے، ان سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو اپنی بیوی کے نفقے کی ادائی میں کوتاہی برتتا ہے تو انھوں نے فرمایا ''یفرق بینهما'' (زوجین کے درمیان علاحدگی کرادی جائے) پھر جب ابوالزناد عبد اللہ بن ذکوان (م ۱۳۰ھ) نے ان سے دریافت کیا کہ کیا یہ سنت ہے؟ تو فرمایا: ہاں سنت ہے۔[۴۷] یہ روایت گو کہ مرسل ہے مگر سعید بن مسیب کی مرسل روایات تقریباً تمام ہی محدثین وفقہا کے ہاں قابل استدلال ہیں نیز یہاں سنت کا مطلق لفظ اس کی نشان دہی کرتا ہے کہ حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے عہد کی سنت کے طور پر ذکر کیا ہے۔

۷ ۔ جمہور فقہا کی طرح احناف کی رائے میں بھی نامردی کی وجہ سے بیوی فسخ نکاح کا مطالبہ کر سکتی

۴۶۔ ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ (م ۲۷۳ھ)، **سنن ابن ماجه**، كتاب الأحكام ، باب من بنى في حقه ما يضر، تحقیق: محمد فؤاد عبدالباقی (مصر: دار إحياء الكتب العربية، س ن)، ۲: ۷۸۴، رقم: ۲۳۴۰۔

۴۷۔ محمد بن ادریس الشافعی (م ۲۰۴ھ)، **المسند**، الباب التاسع في النفقات (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۱ء)، ۲: ۶۵، حدیث: ۲۱۲۔

ہے۔(۴۸) حالاں کہ جنسی تسکین کی ضرورت وقتی بھی ہے اور بھوک کے مقابلے میں قابل برداشت بھی، لہٰذا بیوی کو شوہر کی طرف سے نفقہ سے محرومی کی صورت میں بدرجہ اولیٰ فسخ نکاح کے مطالبے کا حق ہے۔(۴۹) یہ رائے کہ نفقہ میں تنگی کی وجہ سے عہدِ نبوی میں کسی صحابی کا نکاح فسخ نہیں کیا گیا اس وقت وزنی ہو سکتی ہے، جب یہ بات ثابت ہو کہ بعض صحابہؓ کی بیویوں نے اس بنیاد پر طلاق کا مطالبہ کیا اور آپ ﷺ نے مسترد کر دیا۔ جب بیویوں کی جانب سے مطالبے کا ثبوت نہیں ہے تو اس عدم ثبوت کی بنا پر فسخ نکاح کے جواز کا انکار درست نہ ہو گا۔

یہاں مناسب ہو گا کہ فسخِ نکاح کے جواز کے حوالے سے معروف فقہی مسالک کے نقطۂ نظر کی تفصیل بیان کر دی جائے:

۵.۱- فقہ مالکی کا نقطۂ نظر

امام مالک کے مسلک کے مطابق اگر شوہر حالیہ دنوں کا نفقہ دینے سے قاصر ہے تو بیوی کو حق ہے کہ وہ فسخ نکاح کا مطالبہ کرے، اس صورت میں عدالت صورت حال کا جائزہ لے گی، اگر عدالت کے پاس شوہر کا نفقہ ادا کرنے سے عاجز ہو جانا ثابت ہو جائے اور شوہر حاضر باش ہو تو عدالت اپنی صواب دید سے اس کو کسبِ معاش اور ادائی نفقہ کے لیے مہلت دے گی۔ اگر مہلت کے خاتمے تک وہ نفقہ ادا نہ کر سکے تو عدالت علاحدگی کرا دے گی اور اگر شوہر کا نفقے سے عاجز ہونا ثابت نہ ہو تو اس صورت میں اسے حکم دے گی کہ یا تو نفقہ ادا کرو یا پھر فی الفور اپنی بیوی کو طلاق دے دو اور اگر شوہر طلاق دینے سے گریز کرے تو خود عدالت اس کی طرف سے علاحدگی کرا دے گی۔(۵۰) حتیٰ کہ اگر شوہر صرف اس قدر نفقہ ادا کرنے پر قادر ہو کہ بیوی صرف موت وہلاکت سے اپنے آپ کو بچا لے مگر آسودہ ومطمئن نہ ہو سکے تو اس نفقہ کا بھی اعتبار نہیں کہ عام طور پر بیوی کی اس پر قناعت نہیں ہوتی، لہٰذا قاضی اس کا نکاح فسخ کروا سکتا ہے۔(۵۱)

۴۸- محمد امین بن عمر بن عبد العزیز ابن عابدین (م ۱۲۵۲ھ)، **ردالمحتار علی الدرالمختار** (بیروت: دار الفکر، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء)، ۲: ۶۱۸۔

۴۹- ابن الہمام، مرجع سابق، ۴ : ۳۹۰؛ الشربینی، **مغنی المحتاج**، ۵ :۱۷۹۔

۵۰- عبد الرحمن الجزیری، **الفقہ علی المذاہب الأربعۃ** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۰۳ء)، ۵: ۵۰۹۔

۵۱- چناں چہ **بلغۃ السالک** میں مذکور ہے: "(کان وجد مایسدالرمق) ای مایحفظ الحیاۃ خاصۃ دون شبع

تاہم اگر عدت کے دوران ہی شوہر بیوی کا مروج طریقے پر نفقہ ادا کرنے پر قادر ہو جائے تو اسے بیوی سے رجوع کا حق حاصل ہو گا لیکن عدت گزر جانے کے بعد یہ حق حاصل نہیں رہے گا۔[۵۲]

الغرض اگر شوہر نے نفقہ ادا نہ کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ وہ اس سے عاجز تھا۔ لیکن قاضی کے سامنے وہ اپنی مجبوری ثابت نہ کر سکا تو قاضی فی الفور اس سے علاحدگی کرا دے گا اور اگر وہ قدرت کے باوجود نفقہ ادا نہ کرے اور خود اس کا معترف ہو تو ایک رائے یہ ہے کہ اس کو قید کر دیا جائے یہاں تک کہ نفقہ ادا کرنے لگے۔ ایک رائے یہ ہے کہ اس سے طلاق دلوائی جائے تاہم اگر وہ ان میں کسی کو قبول نہ کرے تو پھر قاضی نکاح فسخ کر دے گا۔

۵. ۲- فقہ شافعی کا موقف

امام شافعی کے ہاں شوہر کم سے کم درجے کا نفقہ یعنی بنیادی خوراک ضروری لباس اور رہائش گاہ بھی فراہم نہ کر سکتا ہو تو اس صورت میں معاہدہ نکاح فسخ ہو سکتا ہے؛ لیکن اگر شوہر خوش حال ہو اور قصداً نفقہ ادا نہ کرے تو نکاح فسخ نہ کیا جائے گا، بلکہ عدالت جبرًا اس سے نفقہ وصول کرے گی۔ اسی طرح اگر شوہر غائب ہو تو اس کے خوش حال اور تنگ دست ہونے کی حیثیت کو ملحوظ رکھا جائے گا اگر تنگ دست ہے تو عدالت نکاح فسخ کر دے گی اور اگر خوش حال ہو اور اس کی جائیداد موجود ہو تو اس کے مال میں سے نفقہ ادا کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں عورت کی نکاح سے قبل شوہر کے حالات سے واقفیت اور ناواقفیت سے مسئلے کی نوعیت پر فرق نہیں پڑے گا۔ اگر وہ عقد نکاح سے قبل ہی شوہر کی تنگ دستی سے واقف ہو تو بھی نکاح کے بعد نفقہ سے محرومی کی وجہ سے اسے طلاق کا مطالبہ کرنے کا حق ہو گا، اس لیے کہ ممکن ہے کہ اس نے اس توقع پر نکاح کیا ہو کہ آئندہ شوہر کسبِ معاش کرنے لگے گا اور عورت کے اس کہنے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ میں شوہر کی تنگ دستی پر ہمیشہ خوش ہوں، یعنی وہ اپنی بات پر نظر ثانی کی مجاز ہے۔[۵۳]

معتاد ومتوسط فإنه يطلق عليه إذ لا صبرلها عادة على ذالک" الصاوی، **بلغة السالک لأقرب المسالک**، ۲ : ۷۴۶۔

۵۲- نفس مصدر۔

۵۳- الشربنی کہتے ہیں: "ولو رضيت بإعساره لعارض (أونكحته عالمة بإعساره فلها الفسخ بعده) أي الرضا في الصورتين، لأن الضرر يتجدد كل يوم، ولا أثر لقولها: رضيت بإعساره أبدا فإنه وعد لايلزم الوفاء به" الشربنی، مصدر سابق، ۵: ۱۸۱۔

۵. ۳- فقہ حنبلی کی راے

اسی طرح امام احمد بن حنبل کے ہاں عورت کے نکاح سے پہلے شوہر کی عسرت سے واقفیت بلکہ اس پر راضی ہونے کے باوجود عورت طلاق کا مطالبہ کرنے کی مجاز ہے۔ حتیٰ کہ عقد نکاح کے موقع پر یہ طے کرنے کے باوجود کہ شوہر، نفقہ نہیں دے گا، عورت فسخ نکاح کا حق رکھتی ہے۔[۵۴]

فقہا کی یہ تصریحات اس امر کی نشان دہی کرتی ہیں کہ عقد نکاح کی حیثیت ایک ایسے عائلی معاہدے جیسی ہے جس میں فریقین کے پاس اختیارات ہیں کہ وہ معاہدے کے بنیادی تقاضوں کی تکمیل کی صورت میں ایسے معاہدے کو منسوخ کر سکتے ہیں جس کا طریقہ ازروے شریعت یہ ہو گا کہ اس سلسلے میں عدالت سے رجوع کیا جائے تاکہ معاہدے کی خلاف ورزی کا تعین ہو سکے اور اس کے مطابق معاملات کو طے کیا جا سکے۔

۵. ۴- فقہ حنفی میں اختلافِ آرا

حنفی فقہ کی غالب راے میں بیوی عدم ادائی نفقہ کی صورت میں چوں کہ فسخ نکاح کے مطالبے کا حق نہیں رکھتی اس لیے ایسی عورتوں کے لیے متبادل حل یہ پیش کیا گیا ہے جہاں اسلامی حکومت ہو، عدل وانصاف کا کم مدتی اور آسان نظام موجود ہو اور بیت المال کا باقاعدہ نظام ہو جس کا ایک مقصد مقروضوں کی اعانت اور ان کے قرضوں کی ادائی میں مدد ہو، نیز محتاجوں کے لیے سرکاری خزانے سے کفالت کی گنجائش ہو، پھر اسلامی حکومت یا شریعت کے نفاذ کی وجہ سے اخلاقی برائیاں اور اس کے محرکات کم سے کم ہوں وہاں عورت شوہر کے نام پر قرض لے کر اپنی بنیادی ضروریات کے اخراجات کرے۔[۵۵] لیکن موجودہ حالات میں جہاں معاشی کفالت اور عدل و انصاف کی فراہمی میں ریاست کوتاہ نظر آتی ہے۔ جمہور فقہا کی راے سے استفادہ موزوں ہو گا جن میں امام ابو حنیفہ کے شاگرد اور حنفی فقہ کے مدونِ اول امام محمد بن حسن الشیبانی (م۱۸۹ھ) بھی شامل ہیں۔

۵۴- **المغني** میں مذکور ہے: "وإن رضيت بالمقام معه مع عسرته أو ترك إنفاقه، ثم بدالها الفسخ أوتزوجت معسرًا عالمة بحاله راضية بعسرته وترك إنفاقه أوشرط عليها أن لاينفق عليها ثم عنّ لها الفسخ، فلها ذالك" ابن قدامہ، **المغني**، ۸: ۲۰۷۔

۵۵- الجزیری، مرجع سابق، ۵: ۵۰۸۔

۶۔ سکونت کی نوعیت کی بابت ازدواجی معاہدے کی شرعی حیثیت

گذشتہ سطور میں ذکر ہوا کہ نفقہ کے دائرۂ کار میں بیوی کو رہائش کی فراہمی شامل ہے لہذا اگر زوجین کے مابین عقد نکاح کے وقت سکونت کے حوالے سے یہ معاہدہ طے پاتا ہے کہ شوہر بیوی کو اس کے آبائی شہر میں رکھے گا تو اس معاہدے کی شرعی حیثیت کے بارے میں فقہا کے مابین دو رائے پائی جاتی ہیں۔

ایک رائے میں ایسے معاہدے کی اخلاقی حیثیت تو یقیناً ہے؛ لیکن قانونی طور پر اس کی پابندی لازمی نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ایسی شرط قرآن حکیم کی منشا کے خلاف ہے کہ قرآن مجید میں مذکور ہے: ﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ﴾ [۵۶] (اپنی استطاعت کے مطابق بیویوں کو سکونت مہیا کرو جیسا کہ تم خود سکونت اختیار کرتے ہو۔)

گویا شوہر کو وہیں رہائش فراہم کرنے کا حکم ہے جہاں اپنی استطاعت کے مطابق خود رہائش پذیر ہو۔ لہٰذا آبائی شہر میں سکونت ایک ایسی شرط ہے جو قرآن حکیم میں موجود نہیں ہے لہذا وہ کالعدم اور باطل ہے۔

جیسا کہ حدیث نبوی ہے:"كل شرط ليس في كتاب الله فهو باطل وإن كان مائة شرط"[۵۷] (ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہے اگرچہ وہ سو شرطیں ہوں۔) دوسری رائے کے مطابق فریقین کو اس معاہدے کی پاس داری کرنا ہوگی؛ کیوں کہ اسلام ایفاے عہد کا حکم دیتا ہے۔ جیسا کہ آیات قرآنی اس کی شاہد ہیں۔[۵۸]

حدیث نبوی ہے "أحق ما أوفيتم من الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج."[۵۹]

(جن شرائط کا ایفا تم کرتے ہو ان میں سب سے زیادہ قابل ایفا شرائط وہ ہیں جن سے تم جنسی روابط کو جائز قرار دیتے ہو۔)

اس طرح کی شرط عہد خلافت راشدہ میں بھی زیر بحث آئی تھی۔ چناں چہ خلیفہ راشد حضرت عمر فاروقؓ

۵۶۔ القرآن، ۶:۶۵۔

۵۷۔ ابن ماجہ، **السنن**، كتاب العتق، باب المكاتب، ۲: ۸۴۲، رقم: ۲۵۲۱۔

۵۸۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ القرآن، ۵:۱؛ ﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾ القرآن، ۱۷: ۳۴۔

۵۹۔ البخاری، **الجامع الصحيح**، كتاب النكاح، باب الشروط في النكاح، ۷: ۲۰، رقم: ۵۱۵۱۔

کے عہد میں اس حوالے سے دو طرح کی روایات منقول ہیں:

عبد الرحمن بن غنم ذکر کرتے ہیں کہ وہ حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ان کے پاس ایک مقدمہ آیا جس کے مطابق زوجین کے مابین یہ معاہدہ طے ہوا تھا کہ شوہر بیوی کو اس کے اپنے گھر (میکہ) میں رکھے گا (أن لایخرجها من دارها) بعد میں زوجین میں اس معاہدے کی تکمیل کے حوالے سے اختلاف رائے ہوا کہ شوہر بیوی کو وہاں سے لے کر دوسری جگہ جانا چاہتا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فریقین کی بات سن کر معاہدے کی پاس داری کا حکم دیا۔ تو اس پر شوہر نے اپنا اشکال ظاہر کیا کہ اس طرح تو عورت جب چاہے گی علاحدگی اختیار کر لے گی (اذا یطلقننا) حضرت عمر فاروقؓ نے اس موقع پر واضح کر دیا کہ جب باہمی معاہدہ طے پا جائے تو پہلے سے عائد حقوق پر اصرار نہیں کیا جاسکتا۔

"إنما مقاطع الحقوق عندالشروط"[۶۰]

یہ روایت اس امر کی نشان دہی کرتی ہے کہ عقد نکاح کے وقت سکونت کے حوالے سے ہونے والے معاہدے کی پاس داری ضروری ہے۔ جب کہ حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ایک اور روایت میں صورت حال اس کے برعکس ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا تو اس میں یہ طے پایا تھا کہ شوہر اس کو اپنے گھر (میکہ) سے باہر لے کر نہیں جائے گا۔ اس حوالے سے جب زوجین کے درمیان اختلاف رائے ہوا تو حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا تو حضرت عمر فاروقؓ نے شرط کو کالعدم قرار دیتے ہوئے کہا کہ بیوی اپنے شوہر کے ساتھ رہے گی۔

(المرأة مع زوجها)[۶۱]

گویا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اس حوالے سے متنوع روایات آتی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایسے معاہدے کے بارے میں عدالت حالات کے مطابق فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔ وہ زوجین کے معاملات کا جائزہ لے کر جو مناسب سمجھے فیصلہ کر سکتی ہے۔ خواہ وہ شوہر کے حق میں فیصلہ دے یا بیوی کے حق میں۔

۶۰- سعید بن منصور بن شعبۃ الخراسانی (م۲۲۷ھ)، **السنن**، باب ماجاء في الشروط في النكاح، تحقیق، حبیب الرحمن الاعظمی (الہند: الدار السلفية، ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۲ء)، حدیث: ۶۶۲۔

۶۱- البیہقی، **السنن الصغير**، باب الشروط في المهر و النكاح، ۳: ۸۳، حدیث: ۲۵۶۶۔

چناں چہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور میں بھی اسی طرح کا مقدمہ ان کے سامنے آیا جس میں عقد نکاح کے وقت زوجین کے مابین طے پایا تھا کہ بیوی اپنے گھر (میکہ) میں رہے گی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو کالعدم قرار دیا اور کہا کہ اللہ کی شرط عورت یا مرد کی شرط سے مقدم ہے۔[٦٢] اور اللہ کی شرط سے مراد قرآن حکیم کی آیت مبارکہ ہے: ﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ﴾[٦٣]

٦. ١ – فقہا کرام کی رائے

اسی بنا پر زیر نظر موضوع کے حوالے سے اہل علم میں دو آرا رہی ہیں۔[٦٤] چناں چہ امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) اور اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن راہویہ (م ۲۳۸ھ) اس طرح کے معاہدے کو واجب العمل قرار دیتے ہیں جس میں بیوی کو اپنے آبائی شہر یا گھر میں رکھنے پر اتفاق کر لیا جائے۔ جب کہ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت (م ۱۵۰ھ)، امام ابو عبد اللہ مالک بن انس (م ۱۷۹ھ) اور امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی (م ۲۰۴ھ) کا رجحان اس جانب ہے کہ ایسا معاہدہ اخلاقی حیثیت رکھتا ہے اور بوقت ضرورت شوہر اپنے حالات کے مطابق جو فیصلہ کرے، بیوی کو اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ گویا اس طرح کا معاہدہ یا مفاہمت، معروضی حالات کے تابع متصور ہو گا۔

٦. ٢– معاصر اہل علم کی رائے

برصغیر کے معروف عالم دین مولانا عبد الرحیم لاجپوری، ایسے معاہدے کی نوعیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ شوہر ایسے معاہدے کی صورت میں بیوی کی رضامندی سے تو اسے آبائی شہر سے باہر لے جا سکتا ہے، لیکن اس میں اپنا فیصلہ نافذ نہیں کر سکتا۔ چناں چہ وہ اس امر کو بھی ناجائز قرار دیتے ہیں کہ خط و کتابت اور اخراجات بند کر کے عورت کو پریشان کیا جائے تا کہ وہ شوہر کے دباؤ میں آ کر اپنی رضامندی ظاہر کر دے۔[٦٥]

ایک اور معاصر عالم دین مولانا عتیق الرحمن بستوی، جمہور فقہا کی ترجمانی یوں کرتے ہیں:

٦٢– الترمذی، **السنن**، أبواب النکاح، باب ماجاء في الشرط عندعقدة النکاح، ۳: ۴۲۶، رقم: ۱۱۲۷۔

٦٣– القرآن، ٦:٦٥۔

٦٤– بدرالدین محمود بن احمد بن موسیٰ العینی، (م ۸۵۵ھ)، **البناية شرح الهداية** (بیروت: دارالکتب العلمیة، ۱۴۲۰ھ / ۲۰۰۰ء)، ۵: ۱٦٦۔

٦٥– عبد الرحیم لاجپوری (م ۱۹۷۳ء)، **فتاوی رحیمیہ** (لاہور: ادارہ اسلامیات، س ن)، ۳: ۱۲۹۔

عقود و معاملات کے شرعی احکام واثرات اور ان کے لازمی تقاضوں سے تجاوز کر کے زوجین کی طرف سے اپنی شرائط پر معاہدہ سے ان عقود و معاملات کی شرعی ساخت متاثر ہو گی اور ان کے شرعی مقاصد مجروح ہوں گے۔ مثلاً فریقین کا اس پر معاہدہ کرنا کہ شوہر بیوی کو اس کے آبائی وطن میں ہی رکھے گا اور وہاں سے منتقل کر کے نہیں لے جائے گا، مقاصد نکاح اور عائلی مصالح کو متاثر کر سکتا ہے؛ مثلاً بیوی کے شہر میں شوہر کو ذرائع آمدن حاصل نہ ہوں گے تو وہ کسی دوسرے شہر کا رخ کرے گا۔ جس کی وجہ سے اس کا قیام اپنی بیوی اور بچوں سے دور رہے گا۔ جس سے زوجین کی زندگی میں ناآسودگی پیدا ہو گی اور بچوں کی نگہداشت اور تعلیم و تربیت کے مسائل بھی پیدا ہوں گے۔ یوں بظاہر بے ضرر شرط ہونے کے باوجود اس کے اثرات نقصان دہ ہوں گے۔[۶۶]

اس ضمن میں شیخ ابو زہرہ (م۱۹۷۴ء) ازدواجی معاشرت کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے کہتے ہیں:
''وتستمر العشرة الزوجية على هذاالنظام، هي في الشمال وهوفي الجنوب، لايتلا قيان إلا بشق الأنفس، فأي زواج هذا وأي بيت يتكون من هذين العشيرين المتنائيين أوكيف تكون رعاية الأولاد بين هذين الأليفين المتباعدين.''[۶۷] (ازدواجی زندگی اس طریقے پر جاری ہو کہ بیوی شمال میں اور شوہر جنوب میں، جو بہ مشکل ملاقات کر پائیں، یہ کیسی شادی ہے؟ اور کیسا گھر ہے جو باہم دور شریک ہائے حیات سے تشکیل پا رہا ہے اور باہم جدا ان دونوں رفقا کے مابین اولاد کی دیکھ بھال کیسے ہو گی۔)

زوجین کے مابین نفقہ یا اس کے دائرے میں آنے والے کسی بھی معاملے کے بارے میں معاہدے کی فقہی حیثیت کو زیر بحث لاتے ہوئے اس امر کو پیش نظر رکھنا بہت ضروری ہے کہ عقد نکاح کے مقصد شرعی یعنی معاشرة بالمعروف کو ملحوظ رکھنا اور زوجین کے مابین مودت و رحمت کو پائیدار بنیادوں پر استوار کرنے کو ہر صورت مقدم رکھنا ہی مستحکم رشتے کی کلید ہے۔

۷- ازدواجی نفقہ، پاکستانی قانون کے تناظر میں

ازدواجی نفقہ کے حوالے سے جہاں تک پاکستانی قانون کا تعلق ہے تو پاکستان میں نافذ مسلم عائلی قوانین آرڈیننس (MFLO) مجریہ ۱۹۶۱ء کی دفعہ نمبر ۵ (۱) کے تحت نکاح نامہ کے ذریعے نکاح کی رجسٹریشن کو لازمی قرار دیا گیا ہے، اس نکاح نامہ کی دفعہ نمبر ۲۰ میں نفقہ کے حوالے سے فریقین کے مابین طے پانے والی دستاویز کے

۶۶- مجاہد الاسلام قاسمی (م ۲۰۰۱ء)، **مشروط نکاح** (کراچی: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، س ن)، ۶۷۔

۶۷- محمد ابو زہرۃ (م ۱۹۷۵ء)، **الأحوال الشخصية** (کراچی: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۷ء)، ۱۶۸۔

مندرجات کو ریکارڈ پر لانے کا پابند کیا گیا ہے۔ وفاقی شرعی عدالت نے اپنے ایک فیصلے میں اس دفعہ کو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ قرار دیا ہے[۶۸] نیز قانون[۶۹] کے تحت نکاح رجسٹرار یا نکاح خواں کو دلہا اور دلہن سے متعلق نکاح نامہ کے تمام کالم درست طریقے سے پر کرنے کا پابند بنایا گیا۔[۷۰] اس قانون کی دفعہ ۹ کا تعلق نفقہ (Maintenance) سے ہے جس کے تحت اگر شوہر اپنی بیوی کے نفقے کا مناسب طریقے سے خیال نہیں رکھتا تو بیوی آئین و قانون میں دست یاب عدالتی سہولت سے استفادے کے علاوہ چیئرمین یونین کونسل[۷۱] کو درخواست دے سکتی ہے جو معاملے کے تعین کے لیے مصالحتی کونسل تشکیل دے گا[۷۲] اور ثالثی کونسل اس رقم کے بارے میں ایک سرٹیفکیٹ جاری کر سکتی ہے جو شوہر کی طرف سے بہ طور نفقہ ادا کی جائے گی۔[۷۳] اور اگر کونسل کے جاری کردہ سرٹیفکیٹ کے بارے میں شوہر یا بیوی کو تحفظات ہوں تو وہ مقررہ مدت کے اندر مقررہ طریقہ کار کے مطابق اور مقررہ فیس کی ادائی کے بعد سرٹیفکیٹ پر نظر ثانی کے لیے متعلقہ کلکٹر کو درخواست دے سکتے ہیں، اس کا فیصلہ حتمی اور ناقابل چیلنج تصور ہو گا۔[۷۴] اور اگر قانون کے تحت مقرر کردہ نفقہ کی قابل ادائی رقم، اگر متعینہ وقت میں ادا نہ کی گئی ہو تو وہ زمین کے محصولات کے بقایاجات کی طرح قابل وصولی رہے گی۔[۷۵]

پاکستان میں رائج قانون کے تحت اگر شوہر دو سال تک بیوی کو نفقہ دینے سے غفلت برتتا ہے یا ناکام رہتا

68- PLD 2000 FSC1, p.50.

۶۹- یہ قانون ۱۹۶۱ء میں بنیادی طور پر وفاقی دائرے میں وجود میں آیا، ۱۹۷۳ء کے پاکستانی آئین میں اٹھارویں ترمیم کے نتیجے میں پنجاب نے اس کو ترمیمات کے ساتھ اختیار کر لیا ہے جو کہلاتا ہے
Punjab Muslim Family Laws (Amendment) Act 2015 (xiii of 2015)

70- Punjab Muslim Family Laws (Amendment) Act 2015 Sec 5 (2A)

۷۱- یونین کونسل یا ٹاؤن کمیٹی بنیادی جمہوریت کے قانون ۱۹۵۹ء کے تحت وجود میں لائی گئی تھی، جس کو بعد ازیں مختلف قوانین میں قائم رکھا گیا۔

۷۲- قانون کے مطابق مصالحتی کونسل چیئرمین یونین کونسل کے علاوہ دونوں فریقوں کے نمائندوں پر مشتمل ہو گی، لیکن اگر چیئرمین غیر مسلم ہو یا کسی وجہ سے ذمے داری ادا کرنے سے قاصر ہو تو آرڈیننس کی دفعہ ۱۱ کے تحت بنائے قانون کی رو سے یونین کونسل اپنے کسی مسلم رکن کو اس مقصد کے لیے مقرر کرے گی۔
The Muslim Family Laws Ordinance 1961 (viii of 1961) Section 2(a)

73- MFLO, Sec 9(1).

74- MFLO, Sec 9 (2)

75- MFLO, Sec 9 (3).

ہے تو ایسی صورت میں وہ عدالت کے ذریعے فسخ نکاح کا حق استعمال کر سکتی ہے۔(۷۶)

اگر نافذ العمل مذکورہ پاکستانی قانون کا شرعی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ موجودہ قانون میں نفقہ کی تعریف، اس کے دائرۂ کار، اس کے تعین کے معیار کا واضح تصور موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے ملکی عدالتوں کے سامنے فیصلے کے وقت واضح شاہ راہ عمل نہیں ہوتی جس کی بنا پر متاثرہ خاتون کی داد رسی کا کوئی مضبوط نظام موجود نہیں مثلاً نکاح نامہ میں نفقہ کے دائرہ کار سے متعین ذمے داری کے ذکر کی بجائے صرف استفسار کیا گیا ہے "آیا شادی کے موقع پر مہر و نان ونفقہ وغیرہ سے متعلق کوئی دستاویز تیار کی گئی؟"(۷۷) گویا یہ دستاویز فریقین کی صواب دید پر ہے تاہم نکاح نامہ میں دستاویز کی تیاری کی صورت میں اس کے مختصر مندرجات کا ضرور تقاضا کیا گیا ہے، اسی طرح قانون میں نفقہ کے حوالے سے شکایت پر قانونی چارہ جوئی کا حق بیوی کو ضرور دیا گیا ہے۔ جو متاثرہ فریق کو اگرچہ ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے مگر اس حوالے سے مصالحتی کونسل یا عدالت کو مکمل طور پر اپنی صواب دید پر ہی انحصار کرنا پڑتا ہے؛ کیوں کہ اس سلسلے میں کوئی متعین قانون موجود نہیں ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ پاکستان میں ازدواجی تعلقات میں دراڑ پڑنے کی ایک وجہ شوہر کی طرف سے بیوی کی بنیادی ضروریات سے بے توجہی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے بیوی معلق ہو کر رہ جاتی ہے، ایسی صورت میں اس کی زندگی اجیرن ہو کر رہ جاتی ہے۔ شوہر سے مطالبے کی صورت میں تشدد یا طلاق کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ قرآن حکیم میں مرد کی قوامیت کی دو بنیادوں میں سے ایک، اس کا اپنی زوجہ کی ضروریات زندگی کی فراہمی کے لیے اپنے وسائل خرچ کرنا متعین کیا گیا ہے۔ اس سے انحراف کی صورت میں بیوی کو عدالت کی طرف رجوع کا قانونی حق حاصل ہوتا ہے، مگر طویل اور نامانوس عدالتی طریق کار اور سماجی بے حسی کے سبب معاملات فوری حل نہیں ہو پاتے اور طلاق کا خطرہ تو مستقل سر پر منڈلاتا رہتا ہے۔

اسلامی شریعت کی رو سے تو مطلقہ بھی عدت کے دوران نفقہ کی حق دار ہوتی ہے، لیکن مطلقہ خواتین کی اکثریت کو اس حوالے سے بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے بالخصوص جب کم سن بچوں کی ذمے داری بھی ان پر آن پڑے۔ بسا اوقات نفقہ کے بارے میں عدالتی فیصلوں کو بھی درخور اعتنا نہیں سمجھا جاتا اس سلسلے میں ایک متاثرہ خاتون نے بتایا کہ عدالت نے اس کے بچوں کا اپنے باپ سے ملاقات کے لیے عدالت میں آنے جانے کا خرچہ اور نان

76– The Dissolution of Muslim Marriage Act 1939, Section 2 (ii).

۷۷– مسلم خاندانی قوانین آرڈیننس مجریہ ۱۹۶۱ء (ہشتم ۱۹۶۱ء) زیرِ قاعدہ نمبر ۱۸ اور نمبر ۱۰، نکاح نامہ کالم نمبر ۲۰۔

ونفقہ مقرر کیا، کچھ ماہ تو اس نے ادا کیا، لیکن گذشتہ چار ماہ سے اس نے یہ اخراجات دینے بند کر دیے جس کے بعد عدالت نے اس کے خلاف ڈگری کر دی، اور نان ونفقہ کی ادائی کے لیے اس کے وارنٹ جاری کیے ہیں مگر وہ جہاں رہتا تھا وہاں سے گھر بیچ کر کسی نامعلوم مقام پر چلا گیا، جس کی وجہ سے تاحال عدالت کے فیصلے پر عمل نہیں ہو سکا۔[۷۸] ایسی صورتِ حال میں ایک مطلقہ خاتون کے لیے معاشرتی ذمے داریوں کے ساتھ معاشی مسائل کا بوجھ بھی بڑھ جاتا ہے۔

الغرض اسلامی شریعت کی روشنی میں عقد نکاح کے ضمن میں ازدواجی نفقہ بہ ذاتِ خود ناگزیر قرار پاتا ہے اور وہ اس معاہدے کا ایسا جزو لاینفک بن جاتا ہے کہ اس سے انحراف کی کوئی صورت روا نہیں ہوتی، مزید برآں نفقہ کے بارے میں مستقل معاہدے کی پاس داری بھی زوجین کے تعلقات کی خوش گوار استواری میں اپنا کلیدی کردار رکھتی ہے اور ایسے معاہدات جہاں اپنی اخلاقی ساکھ رکھتے ہیں وہاں ان کی قانونی اور عدالتی حیثیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

۸۔ نتائج بحث

مندرجہ بالا بحث سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

۱۔ قرآن وحدیث کی رو سے زوجین کے مابین معاہدۂ نکاح کی پائیداری معاشرۃ بالمعروف کے اساسی اصول پر استوار ہے۔

۲۔ اسلامی شریعت میں زوجہ کا نفقہ، عقدِ نکاح کے لازمی تقاضوں میں شمار ہوتا ہے اور اس کی ادائی شوہر کے واجبات میں سے ہے۔

۳۔ نفقہ کے دائرہ کار میں عرف کے مطابق متوازن خوراک، مرض کی نوعیت کے مطابق علاج، جسمانی و سماجی ضرورت کے مطابق لباس، بنیادی ضروریات سے آراستہ رہائش، گھر میں کام آنے والا ساز وسامان و آلات اور معاون ذرائع شامل ہیں۔

۴۔ حنفی فقہ میں ازدواجی نفقہ، معاشرتی حسنِ سلوک کا مظہر اور ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے قانونی معاوضہ ہونے کی دوطرفہ حیثیت کا حامل ہے۔

۷۸۔ سیدہ سعدیہ، **پاکستانی معاشرے میں مطلقہ خواتین کے سماجی و قانونی مسائل** (لاہور: ایس شوکت نور پرنٹنگ پریس، ۲۰۱۷ء)، ۱۷۱۔

۵۔ زوجین کے مابین سکونت کے حوالے سے طے کردہ باہمی معاہدے کی تکمیل کی قانونی حیثیت کے حوالے سے فقہا میں اختلافِ رائے پایا جاتا ہے، تاہم معاشرۃ بالمعروف کے نقطۂ نظر سے ایسے معاہدے کی تکمیل کو سماجی تقاضوں کے تناظر میں دیکھنا قرینِ عقل و انصاف ہوگا۔

۶۔ زوجہ، نفقہ کے ماضی کے واجبات کے حوالے سے دست بردار ہونے کا حق رکھتی ہے، تاہم مستقبل کے واجبات سے دست بردار ہونے کے عزم کے باوجود اس کو مطالبہ کرنے کا شرعاً حق حاصل رہے گا۔

۷۔ شوہر کی طرف سے نفقہ کی عدم ادائی کی صورت میں بیوی، عدالت کے علاوہ پاکستانی قانون کے مطابق مصالحتی کونسل سے رجوع کا حق رکھتی ہے۔

۸۔ پاکستانی قانون کی رو سے نفقہ کی قابل ادائی رقم، مقررہ مدت میں ادا نہ کرنے کی صورت میں زمین کے محصولات کی طرح قابل وصولی رہے گی۔

۹۔ شرعی حوالے سے عدالت، شوہر کے ذمے قرض کے طور پر حکومت کو نفقہ کی ادائی کا پابند کر سکتی ہے، بہ صورتِ دیگر فسخ نکاح کا فیصلہ صادر کرنے کی مجاز ہے۔

۱۰۔ نفقہ کے حوالے سے اسلامی فقہ کی تفصیلات، پاکستانی قانون کی نسبت جامع اور مفصل رہ نمائی دیتی ہیں۔

۹۔سفارشات

زیرِ بحث موضوع کے حوالے سے درج ذیل تجاویز و سفارشات کا پیش کیا جانا مناسب ہوگا۔

- عقدِ نکاح اور معاشرۃ بالمعروف کے باہمی تعلق کو اجاگر کرنے کے لیے تعلیمی نصاب میں مطلوبہ مواد کو شامل کیا جائے تاکہ نسلِ نو کو مستقبل کے تقاضوں کے حوالے سے آگہی حاصل ہو۔
- ازدواجی بندھن کے لازمی معاشرتی تقاضے کے طور پر نفقہ کی اہمیت کو ذرائع ابلاغ کے پروگراموں اور خطباتِ جمعہ کے عنوانات میں موزوں جگہ دی جائے۔
- زوجین کے مابین عقدِ نکاح کے موقع پر طے پانے والے امور کو انھی حقائق کے مطابق طے کر کے ان کی ہر ممکن پاس داری کو یقینی بنانے کے لیے دونوں خاندانوں کے بزرگوں کو ضامن مقرر کیا جائے نیز سماجی اثر و رسوخ رکھنے والے غیر متنازعہ افراد کو بھی اتفاقِ رائے سے شامل کیا جا سکتا ہے۔
- ازدواجی تنازعات کو حل کرنے اور خاندانی روابط کے مؤثر نظام کو یقینی بنانے کے لیے مؤثر معاشرتی اور عام فہم قانونی اقدامات بروئے کار لائے جائیں۔

- اسلامی شریعت کی روشنی میں نفقہ کے مروج قانون کو زیادہ واضح اور جامع بنایا جائے تاکہ مصالحتی کونسلوں اور عائلی عدالتوں کے سامنے فیصلے کے وقت واضح رہ نما خطوط موجود ہوں اور وہ بلالحاظ فیصلہ کر سکیں۔
- یونین کونسل کی سطح پر عائلی مسائل کے حل کے لیے بااختیار محلہ جاتی مصالحتی کمیٹیاں قائم کی جائیں اور براہِ راست عدالت کے بجائے ان مصالحتی کمیٹیوں میں عائلی تنازعہ کے تصفیہ وحل کے لیے قانون سازی کی جائے۔
- اگر مصالحتی کونسل ضروری سمجھے یا فریقین کونسل کے فیصلے سے مطمئن نہ ہوں تو مقدمہ عام عدالت کے بجائے عائلی عدالت میں پیش کیا جائے۔
- مصالحتی کونسلوں کو فعال بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے مستقل ارکان کے تقرر میں مطلوبہ اہلیت کو مد نظر رکھتے ہوئے ان میں کم از کم ایک عالم دین، ایک ماہرِ قانون (ترجیحی طور پر خاتون) کو بھی شامل کیا جائے تاکہ معاملات کو شریعت اور قانون کی روشنی میں بہتر انداز میں سلجھایا جاسکے۔
- ازدواجی امور کے قانونی امور کو نمٹانے کے لیے مؤثر اور جلد فیصلہ کرنے کے لیے مصالحتی کونسلوں کے ساتھ ساتھ مستقل بنیادوں پر بڑی تعداد میں عائلی عدالتوں کا قیام عمل میں لایا جائے جس کے لیے قانون دان، شرعی امور کے ماہرین کے علاوہ نفسیات وسماجیات سے گہری واقفیت رکھنے والوں کی خدمات بھی حاصل کی جائیں۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁